تنقید و تبصرہ

ارمغانِ سلیمان

مجموعہ کلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امام غزالیؒ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ کلام، فلسفہ، منطق اور جملہ علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے باوجود انہیں آخر میں طمانیت قلب تصوف ہی میں ملی تھی۔ وہ اس زمانے کی سب سے بڑی اور مرکزی درسگاہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے اور اہل علم کا ان کی طرف رجوع عام تھا۔ بحیثیت ایک عالم کے ان کی یہ شان تھی کہ وزراء اور امراء تک ان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے تھے، ان کے درس میں علماء کے علاوہ امراء وغیرہ حاضر ہوتے تھے۔ لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی طبیعت اس شاندار علمی زندگی سے اچاٹ ہو گئی اور وہ تلاش حق میں نظامیہ کی مدرسی وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر بغداد سے نکل کھڑے ہوئے۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے متکلمین باطنیہ اور فلاسفہ کے ہاں حق ڈھونڈا، لیکن ان کی کتابیں مجھے یقین نہ بخش سکیں۔ سب سے آخر میں میں نے تصوف کی طرف توجہ کی اور اس فن کی کتابیں پڑھیں، لیکن چونکہ یہ فن دراصل عملی فن ہے اس لئے صرف علم سے کوئی نتیجہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اور عمل کے لئے ضروری تھا کہ زہد و ریاضت اختیار کی جائے۔ امام صاحب نے بغداد کو الوداع کہا۔ اور شام کی راہ لی۔ پھر وہ مختلف

© rasailojaraid.com

ملکوں میں گھومتے رہے اس دوران میں ان کی زندگی سرتاپا ریاضت کی تھی۔

زیر نظر کتاب ارمغان سلیمان پڑھ کر بے اختیار امام غزالی اور ان کا ڈ
تدریس سے قطع تعلق کر کے تصوف کے دامن سے وابستہ ہونا یاد آجائ
ایک زمانے میں دارالمصنفین اعظم گڑھ برصغیر پاک و ہند میں اتنا ہی مشہور
جتنا کہ امام غزالی کے زمانے میں مدرسہ نظامیہ بغداد ہوگا۔ سید سلیمان صا
دارالمصنفین کے دماغ اور روح رواں تھے۔ اور علمی و تعلیمی حلقوں کے عـ
سیاسی اور حکومتی اداروں میں بھی ان کی عزت تھی۔ ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء ہی سے
کہ دارالمصنفین کا قیام عمل میں آیا۔ پورے ملک میں اس کے نام کا غلغلہ
ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی سید سلیمان صاحب کی شہرت پھیل گئی تھی۔ انھ
وفد خلافت کا رکن چنا گیا' جو مولانا محمد علی کی قیادت میں ۱۹۲۰ء میں یورپ گیا تھا'
ایک اور وفد کے قائدین کر حجاز بھی گئے تھے ان کو جمعیت العلماء ہند کا صدر منتخب کیا
بڑے بڑے سیاسی لیڈر ان سے تعلق رکھنے میں اپنا فخر سمجھتے تھے پھر ریاستوں کے حـ
ان کے نیاز مند تھے اور ان کی بات احترام سے سنتے تھے۔ غرض ایک عالم دین'
دینی مصنف اور ایک اسلامی ادارہ کے سربراہ کو جو بھی بڑے سے بڑے دنیاوی
مل سکتا تھا' سید صاحب ان سب سے بہرہ ور تھے لیکن اس کے باوجود ایک وقت آ
وہ ان سب چیزوں سے بیزار ہو گئے' اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
ہاتھ پر بیعت کر کے امام غزالی کی طرح انہوں نے تصوف میں پناہ لی' اور اس
ان کو اطمینان قلب نصیب ہوا۔

تھانہ بھون میں حضرت تھانوی کی بیعت کرنے کے بعد انہوں نے جو غزل
اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پا کر تجھے اپنے کو میں کیا بھول گیا ہوں

ہر سُود و زیانِ دو سرا بھول گیا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس دن سے مرے دل میں تری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں

آتا ہے جدا بھی ترے مرتے میں جب مجھے یاد
گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں

عالم کے تماشے نہیں اب جاذب دل میں
ہر لذت ہستی کا مزا بھول گیا ہوں

اب مسئلہ وحدت و کثرت کو میں سمجھا
پا کر تجھے سب تیرے سوا بھول گیا ہوں

منظور تری چشم رضا جب سے ہوئی ہے
امید جزا، خوف سزا بھول گیا ہوں

اے رہبر توفیق مجھے راہ بتا دے
نقش قدم راہ نما بھول گیا ہوں

الٹا ہے ورق آج سے افسانۂ نو کا
افسانۂ پارینہ دلا بھول گیا ہوں

یہ اشعار ۵ اپریل ۱۹۴۲ء کے ہیں۔ اس کے بعد بھی اپنے مرشد سے جو انہیں روحانی فیضان ملتا رہا اس کا ذکر وہ اشعار میں کرتے رہے ہیں۔ چند اشعار اور سنئے۔

سازگار اب گردش ایام ہے
دور میں ہشتاد سالہ جام ہے

ہشتاد سالہ جام سے مراد اسی برس کے بوڑھے مرشد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ہے۔ مرتب۔

لذت خلوت بیاں کیا کیجئے
ایک میں ہوں اور ان کا نام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم و دولت جاہ و عزت ہیچ ہیں
گر مجھے حاصل ترا انعام ہے

جب مرا مطلوب ہے تیری رضا
تب مجھے اوروں سے طلب کیا کام ہے

تھی جو آزادی تو ہر سو دوڑ تھی
قید میں آرام ہی آرام ہے

اور اس غزل کا آخری شعر ہے۔

فیض ہے یہ کس ولی وقت کا
اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

اس غزل میں ایک شعر ہے۔

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار
آج ہی آغاز کا انجام ہے

مرتب اس شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں

مرشد تھانویؒ کی نظریں عادتاً جھکی ہی رہتی تھیں مگر کبھی کبھار کن انکھیوں سے کسی سمت دیکھ لیتے تو گویا بجلی گرا دیتے تھے۔

مرتب نے سید صاحب کے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ جسے موصوف نے "غزل الغزلات" کا نام دیا ہے یہ سید صاحب کے آخری دور کا کلام ہے اور اس کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے یعنی انہوں نے حضرت تھانوی کے دست مبارک پر بیعت کی اور علم کی اقلیم سے نکل کر آسمان معرفت کی سیر شروع فرمائی۔ دوسرا حصہ سید صاحب کے دور اول کا کلام ہے۔ جس میں بعض سیاسی نظمیں ہیں، غزلیات ہیں اور مولانا شبلی کا مرثیہ "نوحہ استاد" ہے اس حصہ میں بعض تاریخی نظمیں بھی ہیں، جن سے اس دور کی جب وہ نظمیں کہی گئی تھیں، سیاسیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ایک نظم "مسٹر محمد علی جینا" کے عنوان سے ہے اس کے یہ شعر ہیں۔

اک زمانہ تھا کہ اسرار دروں مستور تھے
کوہِ شملہ جن دنوں ہم پایۂ سینا رہا

جب کہ داروئے وفا ہر درد کا درماں رہی
جب کہ ہر نادان عطائی بوعلی سینا رہا

(مسلمانوں کے اس دورِ سیاست کی طرف اشارہ ہے، جب انگریز کی وفاداری ان کا قبلہ مقصود تھا۔ اور شملے کے پہاڑ کو جہاں انگریز وائسرائے رہتا تھا۔ (یعنی سینا کا ہم پایہ سمجھا جاتا تھا)

جب ہمارے پارہ فرما زہر کہتے تھے اسے
جس پر اب موقوف ساری قوم کا جینا رہا

(یعنی سیاست۔ اس دور میں مسلمانوں کے ہاں سیاست شجرِ ممنوعہ سمجھی جاتی تھی)

بادۂ حبِ وطن کچھ کیف پیدا کر سکے
دور میں یوں ہی اگر یہ ساغر و مینا رہا

علتِ دیرینہ سے گو اصلی قویٰ بیکار ہیں
گوش سنوا ہے نہ ہم میں دیدۂ بینا رہا

پر مریضِ قوم کی جینے کی ہے کچھ کچھ امید
ڈاکٹر اس کا اگر مسٹر علی جینا رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نظم لکھنؤ میں ۱۹۱۶ء میں کہی گئی جہاں اس وقت مسٹر محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے۔

ایک شعر ۱۹۳۵ء کا ہے، جس کا عنوان ہے، "در آخر خطبہ ریڈیو بہ حیدرآباد دکن" شعر یہ ہے۔

سلیماں را بملک شام اگر آصف وزیرے شد
بہ بیں ایں جاست آصف را سلیماں کمتریں چاکر

دوسرے مصرعے میں آصف سے مراد نظام حیدرآباد دکن ہیں۔ جن کے ہاں سید صاحب کا ایک زمانے میں بڑا احترام تھا۔

حصۂ غزل الغزلات کے ایک شعر میں اپنے روحانی انقلاب کی کتنی اچھی تصویر کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں۔

مدرسہ چھوڑ خرابات میں آکے بیٹھا دوسرا سایۂ دیوار کہاں سے لاؤں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ کی قیل و قال سے تنگ آگئے تھے اور دار المصنفین کی تصنیفی سرگرمیاں ان کے قلب و روح کو اطمینان بخشنے میں ناکام رہی تھیں انہیں ایک سایۂ دیوار کی تلاش تھی، اور وہی ان کو تھانہ بھون میں کھینچ لایا۔ چنانچہ مدحت شیخ میں فرماتے ہیں۔

قیل و قال مدرسہ کو چھوڑ کر
شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان کا
جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
ایسے کچھ انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہۂ باطل ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بزم میں دیکھا کئے اس ناز سے

جس طرف دیکھا نشانہ دل ہوا

گھول کر کیا جانئے کیا دے دیا

حلق سے اترا کہ شیدا دل ہوا

دیکھ کر سب کو اسی کو چن لیا

جو نگاہِ ناز کے قابل ہوا

قید ہاے حلقۂ پیر مغاں

پھر نہ اٹھا، جو یہاں داخل ہوا

یہ اشعار اگر صحیح معنوں میں سید صاحب مرحوم کی باطنی کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں اور یقیناً وہ کرتے ہیں تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ سید صاحب کو حضرت تھانوی کی بیعت کرنے سے پہلے وہ روحانی سکون حاصل نہیں ہو سکا تھا، جو ایک مذہبی زندگی کی اصلی متاع ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی علمی زندگی سرتاسر قیل و قال مدرسہ تھی۔ ہمارے نزدیک بہت حد تک یہ واقعہ ہے۔ سید صاحب کے دار المصنفین میں تاریخ نگاری تھی، سوانح نگاری تھی، لیکن یہ سب چیزیں خارجی ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت اس وقت تک خول کی رہتی ہے، جب تک کہ ان کے پیچھے کوئی فکری و فلسفیانہ معنویت نہ ہو، اور بدقسمتی سے سید صاحب کے دور سربراہی میں دار المصنفین اس سے خالی رہا اور اس کی کی تلافی وہ اکثر مغربیت، اور تفرنجیت، کو برا بھلا کہہ کر پوری کرتے رہے یہ ایک روحانی خلا تھا، جس کا بھرنا تھانہ بھون سے مقدر تھا چنانچہ سید صاحب مرحوم کو آستانہ تھانوی پر جبہ سائی کرنی پڑی۔

ایک اور غزل ملاحظہ ہو، جس کے اشعار ہمارے اس خیال کی مزید تائید کرتے ہیں

زباں میری بنا دے یا الٰہی ترجمان دل
زباں سے ہو وہی اظہار جو کچھ ہو بیان دل

زباں تسبیح میں شاغل دل ان کی یاد سے غافل
لبوں پر ذکر حق جاری مگر ساکت زبان دل

© rasailojaraid.com

زباں تحلیل میں تیرے خیالوں میں پھنسا دل ہے
نہ کھل جائیں کہیں یارب یہ اسرار نہان دل

زباں تاثیر کی طالب ہے دل تاثیر سے خالی
زباں میں ہے نہ دل شامل نہ دل میں ہے زبان دل

خدا جانے کہاں دل ہے کہاں پہ اس کی منزل ہے
نہیں ملتا سراغ دل، نہیں ملتا نشان دل

کوئی چوٹ ایسی لگ جائے الٰہی میرے سینے میں
کہ فوارہ سا بن جائے یہ زخم خون چکان دل

اگر ساقی تری چشم فسوں گر کام کر جائے
بدل جائے نظام دل بدل جائے جہان دل

کشاکش ہائے رنگارنگ سے چھوٹوں قرار آئے
مقیم اس گھر میں ہو جائے اگر یہ میہمان دل

دوراہے سے خرد کے جب سے آیا ہوں رہ دل پہ
یقیں کی شکل بنتا جا رہا ہے ہر گمان دل

تری ساقی کرامت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی
زباں میری لگی اک گھونٹ میں کرنے بیان دل

۱۳؍ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

بے شک اس مجموعہ میں شاعری کی بلندیاں آپ کو کم ملیں گی، لیکن اس دور کے سب سے بڑے مدرسہ کی ...... ناکامی کی یہ ایک منہ بولتی تصویر ہے اور اسے اسی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

بڑا سائز، ضخامت ۱۱۲ صفحے، غیر مجلد قیمت ۳ روپے
ملنے کا پتہ سید محی الدین احمد عالمگیر روڈ مشرف آباد کراچی
(ا۔ س)

© rasailojaraid.com